دعوت اسلامی میں

خواتین کا حصہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی
امین احسن اصلاحی

دعوتِ اسلامی میں

خواتین کا حصّہ

از

مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی

و

مولانا امین احسن صاحب اصلاحی

شائع کردہ

مکتبہ جماعت اسلامی (ہند) رامپور یو۔پی

قیمت ۳؍

فہرست مضامین

دعوت اسلامی میں خواتین کا حصہ

(یہ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کی ایک تقریر ہے جو انھوں نے الہ آباد میں خواتین کو مخاطب کرکے فرمائی تھی)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ؛-

مخترم خواتین! مجھے اس بات کی بڑی خوشی ہے کہ اس شہر میں آکر مجھے ماؤں اور بہنوں سے بھی کچھ کہنے کا موقعہ مل رہا ہے۔ اس وقت غلط تعلیم و تربیت اور غلط روایات کے پھیلنے کی وجہ سے ہماری حالت یہ ہوگئی ہے کہ عورتیں جس طرح اپنی روٹی کپڑے کی ذمہ داری مردوں پر سمجھتی ہیں اسی طرح دین کی ساری ذمہ داریاں بھی مردوں ہی پر خیال کرتی ہیں۔ حالانکہ میں پوری ذمہ داری کے ساتھ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیائے کرام جو دین لے کر آئے ہیں اس دین کی مخاطب عورتیں بھی اسی طرح ہیں جس طرح مرد ہیں۔ فرائض کے حدود و عنوان مختلف ہیں لیکن دین کو اختیار کرنے، دین کو قائم کرنے، حق کی راہ میں جد وجہد کرنے، عند اللہ جوابدہ اور مسئول ہونے میں دونوں یکساں ہیں، اور ایسے یکساں کہ اگر کوئی عورت اُن حقوق و فرائض میں جو اللہ کی طرف سے

اس پر عائد ہوتے ہیں، کوتاہی کرے گی، تو خدا کے ہاں اس سے اسی طرح پرسش ہوگی جس طرح مرد سے اس کی کوتاہیوں پر ہوگی، وہ مسئولیت سے ہرگز بچ نہیں سکتی۔ اگر آپ اپنی تاریخ کو پڑھیں گی تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کس طرح اقامت دین کی جد وجہد میں عورتوں نے مردوں کے برابر حصہ لیا ہے۔

یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دین حق کی دعوت دی تو سب سے پہلے جن لوگوں نے اس دعوت کو قبول کیا ان میں ایک خاتون حضرت خدیجۃ الکبریٰ بھی ہیں۔ حالانکہ اس وقت اسلام کو قبول کرنا کوئی سہل کام نہ تھا، بلکہ دنیا جہان کی مصیبتوں کو مول لینا تھا۔ انھوں نے نہ صرف اسلام کو قبول کرنے میں سبقت کی بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھارس بندھانے والی، غیبی تائید اور حق کی امداد کا یقین دلانے والی، توکل اور بھروسہ کی تلقین کرنے والی بہیں، انھوں نے سب سے پہلے تسلی دی، سب سے پہلے دین حق کے اس علم کو اٹھایا، اور ایسی وفاداری اور عشق وشوق کے ساتھ کہ ان کی وفاداری نہ صرف عورتوں، بلکہ مردوں اور تمام نسل انسان کے لئے قابل فخر ہے۔ ان کا مال اور ان کا دل ودماغ سب اسلام پر نثار رہا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفات کا سب سے زیادہ غم ہوا، اس لئے نہیں کہ آپ کی عزیز بیوی آپ سے جدا ہوگئیں، بلکہ اس لیے کہ دین کا سب سے بڑا بازو دنیا سے اٹھ گیا۔

اہل حق پر سخت سے سخت دور آئے۔ کون سی مصیبتیں ہیں جو ان پر نہیں

توڑی گئیں۔ کانٹوں میں گھسیٹے گئے، تپتی ہوئی ریت پر لٹائے گئے، گرم سلاخوں سے داغے گئے، بُری طرح زدوکوب کیے گئے۔ اِن مصیبتوں کو مردوں کی طرح عورتوں نے بھی سہا، بلکہ تکلیفیں جھیلنے اور شدائد و مصائب کو برداشت کرنے کی ان سے بہتر مثالیں مرد بھی پیش نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ وہ حق پرست خواتین تھیں جنھیں کسی تدبیر سے بھی رام نہ کیا جا سکا۔ پھر جب وہ وقت آیا کہ مکہ کی فضا اہل حق کے لئے بالکل ہی ناسازگار ہو گئی، قریش نے مسلمانوں پر خدا کی زمین تنگ کر دی اور مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو اس میں بھی خواتین شریک تھیں۔ اس کے بعد ہجرت مدینہ کا مرحلہ پیش آیا تو جس طرح مردوں نے اپنے وطن اور اپنے اعزا اور اپنے املاک و اموال کو خیرباد کہا اسی طرح عورتوں نے بھی سارے علائق کو ترک کر کے حق کا ساتھ دیا۔ اور تاریخ اسلام کے بعد کے صبر آزما مرحلوں میں بھی عورتوں کی قربانی، ان کے استقلال و برداشت اور ان کے اسلام سے تعلق کی ایسی شاندار مثالیں ملتی ہیں کہ اگر ان کو بیان کیا جائے تو داستان بہت طویل ہو جائے گی۔ میرے کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ جب تک عورتیں اپنے درجہ کو ٹھیک ٹھیک سمجھتی تھیں، اور جب تک یہ یقین دلوں میں جاگزیں تھا کہ اسلام کی دعوت کے مخاطب مرد و عورت دونوں ہی ہیں، اور اقامت دین کی ذمہ داری میں دونوں برابر کے شریک ہیں، عورتیں راہ حق کے جانباز سپاہیوں میں تھیں، اس راہ کی پتھر نہیں بنی تھیں۔ عرب کی معاشرت میں یوں بھی عورت کی منزلت بہت پست تھی، اس لئے مخالفین کو ان پر مظالم توڑنے کی اور بھی زیادہ سہولتیں حاصل

تھیں۔ عورتوں نے ان تمام تلخیوں کو گوارا کیا، اور عشق حق اور محبت رسول کی ایسی روایتیں قائم کیں کہ ان کو سن کر آج بھی دلوں میں گرمی اور ایمان میں تازگی پیدا ہو جاتی ہے، احد کے معرکے میں نبی اکرم اور آپ کے بہت سے رفقاء و اصحاب کو سخت حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ اس معرکے میں بعض دوسری ناگوار افواہوں کے ساتھ یہ خبر بھی پھیل گئی کہ حضور شہید ہو گئے۔ اس خبر کا مدینہ پہنچنا تھا کہ ایک انصاریہ خاتون گھر سے نکل پڑیں کہ جو وجود پاک دین حق جاننے کا واحد ذریعہ تھا کیا واقعی وہ بھی دستِ ستم کا نشانہ بن گیا؟ وہ مدینے سے نکل کر سیدھی میدان جنگ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ احد سے واپس آنے والا جو شخص ملتا اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال دریافت کرتیں۔ بعض آدمیوں نے ان سے کہا کہ نہایت غم و افسوس کے ساتھ یہ بات کہنی پڑتی ہے کہ تمہارا نوجوان بیٹا، تمہارے والد، اور تمہارے شوہر، تینوں جنگ میں شہید ہو گئے۔ یہ خبر کس قدر صبر آزما تھی! ایک عورت کا کلیجہ پھاڑ دینے کے لئے ان میں سے کوئی ایک خبر بھی کافی تھی۔ ان کے عزیز ترین سہارے ایک ایک کر کے اس طرح رخصت ہو گئے تھے۔ لیکن ان کا اسلام سے جو تعلق تھا اس کا ذرا اثر دیکھئے، فرماتی ہیں —— میں باپ، بھائی اور شوہر کا ماجرا نہیں پوچھ رہی ہوں۔ یہ بتاؤ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ انھوں نے بشارت دی کہ الحمدللہ آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچا۔ بولیں کہ میں اس کو اس وقت تک باور نہیں کر سکتی جب تک روئے مبارک کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔ اس کے

بعد حضور کو صحیح و سالم دیکھ کر فرمایا کُلُّ مُصِیْبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ (اے رسول پاک آپ کے ہوتے ہوئے ساری مصیبتیں ہیچ ہیں) یہ ایک واقعہ ہے جو بطور مثال کے میں نے پیش کیا ہے۔ عورتوں کی تاریخ بہت روشن ہے، اور اسلام کا ہر دور ایسے بہت سے کارناموں سے معمور رہے۔ تاریخ اسلامی کے اس دور میں بھی جب کہ مردوں کی ایمانی قوت کمزور ہوگئی تھی، ایسی عورتیں مل جائیں گی جن پر مسلمان فخر کر سکتے ہیں۔

اسلام نے اپنے روشن زمانے میں جس قدر جنگیں لڑیں ان میں مردوں نے اگر تیر و خنجر چلائے اور زخم اٹھائے، تو عورتوں نے پائنچے چڑھا کر زخمیوں کو پانی پلایا، ان کی مرہم پٹی کی، ان کی ڈھارس بندھائی، اپنے مال سے اور اپنے زیورات سے دین حق کی امداد کی۔ چھوٹی چھوٹی بچیوں نے، جب کہ آپ کے نام لینے والے کم تھے، آپ کی تعریف کے گیت گائے۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ اے بچیو! کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟ انھوں نے جواب دیا ہاں۔ ارشاد ہوا "میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں" مردوں میں سے کس گروہ کو یہ شرف حاصل ہو سکا؟

یہ اس دور کا حال تھا جب عورتیں جانتی تھیں کہ مرد و عورت دونوں دین حنیف کے یکساں حامل اور یکساں مخاطب ہیں۔ اس وقت تک ہر وہ چیز جو راہ حق میں عائق بنی خواہ وہ کتنی ہی عزیز و محبوب کیوں نہ ہو، اس کو انھوں نے ٹھکرا دیا۔ محبوب سے محبوب شوہر جس کا رشتہ دین حق سے استوار نہ ہوتا، ان کی نگاہ میں مبغوض ہو جاتا۔ غریب سے غریب اور مفلس سے مفلس شوہر کو

محض حق پرستی کی بنا پر انھوں نے محبوب بنایا۔ عورتوں نے اس چیز میں کبھی پست ہمتی نہیں دکھائی۔ شوہر نے اگر دینِ حق سے اعراض کیا تو مسلمان عورت نے اس سے اپنا دامن چھڑا لیا۔ بیٹوں تک کے رشتے انھوں نے دین کی خاطر توڑ ڈالے۔

اسلام کا اثر ان کے قلوب پر اس حد تک تھا کہ ان کی ساری نفرت و محبت للہ و فی اللہ تھی۔ ماں کے لیے ان کے بیٹوں کا دولت مند ہونا قابلِ ذکر چیز نہ تھی، اگر وہ خدا کی فرماں برداری کے جذبے سے سرشار نہ ہوں کسی شوہر کا بڑے سے بڑا ایثار ان کی نظر میں کوئی وقعت نہ رکھتا تھا، اگر وہ مومن نہیں ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں ہے یہ اس روشن دور کی روداد ہے جب کہ عورتوں کو یہ احساس تھا کہ وہ بھی دینِ حق کے قائم کرنے کی ذمہ دار ہیں۔

اب دیکھیے کیسی کایا پلٹ گئی ہے۔ آج سمجھ لیا گیا ہے کہ جس طرح نان و نفقہ کی ذمہ داری مرد پر ہے اسی طرح دین کے لئے جد و جہد کرنا بھی مرد ہی کا فریضہ ہے۔ ان کی پہلی غلطی یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو شریعت الٰہی کا مخاطب نہیں سمجھتیں، حالاں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت مردوں اور عورتوں کو یکساں دی ہے۔ اس غلط تصوّر نے ہماری اسلامی زندگی تہس نہس کر ڈالی ہے۔ اب حالت یہ ہے کہ عورتیں درحقیقت سوسائٹی کے تمام معائب و خرافات اپنے اندر اور اپنے بال بچوں اور شوہروں کے اندر پھیلانے کا ذریعہ بن گئی ہیں۔ اور اگر انہیں ناگوار نہ ہو تو ذرا صاف الفاظ میں

یہ کہہ سکتا ہوں کہ موجودہ طاغوتی دور میں عورتوں نے شیطان کی ایجنسی لے رکھی ہے۔ تمام وہ وبائیں جو سوسائٹی میں پھیلتی ہیں اُنہیں بُری طرح متاثر کرتی ہیں، اور ان سے ان کی نسلوں اور ان کی اولادوں میں پھیلتی ہیں۔ دیہاتوں میں حالات کچھ مختلف ہیں مگر شہروں کے حالات بالعموم یہی ہیں۔

عورت کے بگڑنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام نسل کی ذہنی و اخلاقی حالت مسموم ہو جاتی ہے۔ کوئی ماں اپنے بچّہ کے منہ میں صرف دودھ ہی نہیں ڈالتی بلکہ اس کے ساتھ اپنے اخلاق کی روح بھی اُس کی رگ رگ کے اندر اتارتی ہے۔ اگر اس کے اندر روحِ دین کمزور ہے، اخلاقِ انسانی اور حسِ ایمانی مردہ ہے، تو اس سے زیادہ زہریلے جراثیم بچے میں سرایت کر جائیں گے جتنے ایک مدقوق ماں کا دودھ پینے سے ایک بچّہ کے اندر پہنچ جاتے ہیں۔

صحیح اسلامی تربیت کا اصلی سرچشمہ اور بہترین ذریعہ ہماری مائیں ہیں۔ جب تک ہماری مائیں حضرت اسماء رضؓ کے نمونہ کی تقلید نہ کریں گی کس طرح عبداللہ بن زبیر جیسے جانباز پیدا ہو سکیں گے؟ جب تک وہ راہ حق میں سولی پر چڑھ جانے والے بیٹے کو دیکھ کر یہ نہ کہیں کہ "اچھا ابھی کب سے یہ سوار اترا نہیں!" اس وقت تک دار و رسن کا کھیل کھیلنے والے فرزند کن کی کوکھوں سے جنم لیں گے؟ انہیں محترم خاتون سے، جبکہ یہ اپنی بینائی کھو چکی تھیں، بیٹے نے آ کر آزمائش کے طور پر پوچھا "ماں میں اپنے آپ کو دشمنوں کے حوالے کر دوں یا معافی مانگ لوں" انھوں

نے اپنے کمزور ہاتھوں سے آپ کو پکڑا اور بدن کو چھو کر پوچھا کہ "یہ کیا پہن رکھا ہے"؟ انھوں نے عرض کیا "زرہ" فرمایا "راہِ حق کے مجاہدوں کو اس قسم کے پردوں کی ضرورت نہیں، اسے اتار دو اور راہِ حق میں سینہ سپر ہو کر لڑو، کہ کل کو تمہارے دشمنوں کو تم پر ہنسنے کا کوئی موقع نہ ملے۔"

ہم صرف ایک ہاتھ سے دینِ حق کی عمارت قائم نہیں کر سکتے۔ اس میں دوسرے ہاتھ یعنی عورت کا تعاون ضروری ہے۔ ہماری نسلوں کی پہلی تربیت گاہ ماں کی آغوش ہے۔ ماں کی چھاتی کے ایک ایک قطرۂ شیر کے ساتھ بچہ جذبات و حسّیات اور اخلاق بھی اپنے اندر جذب کرتا ہے۔ اور اس کی ایک ایک ادا سے عمل کے طریقے سیکھتا ہے۔ ماں اگر مومنہ مسلمہ ہے تو بچے بھی مومن و مسلم، ماں اگر روح ایمان و اسلام سے خالی ہے تو بچے بھی اسی طرح ایمان و اسلام سے محروم ہوں گے۔ ہم اپنی نسلوں کی تمام اثرات سے حفاظت کر بھی لیں تو یہ بالکل ناممکن ہے کہ ماؤں کے نیک و بد اثرات سے ان کو بچا سکیں۔

مردوں کی خرابی کے اثرات بھی مہلک ہیں، مگر ان کی خرابی سے ممکن ہے کہ بچنے کی شکلیں پیدا ہو جائیں۔ لیکن عورتوں کے بگاڑ کے خراب نتائج سے بچنا ناممکن ہے۔ ان کی پیدا کی ہوئی خرابی جڑ کی خرابی ہے، شاخوں اور تنوں کی خرابی نہیں ہے۔ اس کا علاج ناممکن ہے۔ اسی وجہ سے ان پر ذمہ داری بہت سخت ہے۔ یہ جو بیماریاں بچوں کو پلا دیں گی کوئی ماہر

ماہرِ طبیب بھی ان کا علاج نہیں کر سکتا - جو درخت اپنی نشوونما کے ابتدائی دور ہی میں آفت رسیدہ ہو جائے، پھر اس کا تناور درخت ہونا مشکل ہی ہوتا ہے پس عورتوں کا فرض ہے کہ آج ہم دین کو تازہ کرنے کا جو عزم لے کر اٹھے ہیں، اس کام میں ہمارا ہاتھ بٹائیں - ہم ان کی شرکتِ عملی کے سخت محتاج ہیں - یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم عورتوں کو اب تک براہِ راست مخاطب کرنے کے وسائل پیدا نہ کر سکے ہیں ماؤں اور بہنوں سے خدا کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ وہ اپنی غفلت کو دور کریں، اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں - یہ چیز ان کے فرائض میں سے ہے کہ وہ سمجھیں کہ اللہ کا دین کیا ہے، خدا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا ہے - ہر ماں، ہر لڑکی اور ہر بہن کا یہ فریضہ ہے - پھر ان کے فرائض میں سے یہ بھی ہے کہ ان کے بطن سے جو بچے پیدا ہوں ان کے اندر صرف دودھ ہی نہ اتاریں بلکہ اپنے عمل سے، اپنے اخلاق سے اور روز کی زندگی سے ان میں ان تمام احساسات دین کو راسخ کر دیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا لب لباب ہیں - انہیں اپنی جد وجہد کے نتائج کی طرف سے مایوس نہیں ہونا چاہئے - ان کا مرتبہ بہت اونچا ہے - ان کی باتیں بے اثر نہیں رہ سکتی ہیں - اپنے بچوں کو تو وہ باقاعدہ حکم دے سکتی ہیں، اور ہر سعید بیٹے کا فرض ہے کہ وہ اپنی ماں کے حکم کی تعمیل کرے - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ کس کی خدمت کروں؟ آپ نے فرمایا ماں کی" - پھر یہی سوال کیا، فرمایا " ماں کی" - پھر یہی پوچھا، جواب دیا

ماں کی"۔ چوتھی دفعہ پوچھنے پر فرمایا "باپ کی"۔ لیکن شوہر کے ساتھ بیوی کا تعلق تعاون کا تعلق ہے، اور یہ تعاون دین و دنیا دونوں میں ہے۔ جس طرح گھریلو زندگی میں ایک بیوی کا فرض ہے کہ وہ شوہر کی وفادار، امانت دار اور خیر خواہ رہے، اسی طرح دینی معاملات میں اس کا فرض ہے کہ وہ شوہر کو نیکی اور بھلائی کے مشورے دے، اور اس کی گمراہیوں پر اس سے زیادہ بے چین ہو جتنا دنیوی معاملات میں اس کی غلطیوں پر ہوتی ہے، اور اس کام میں اسے جو دکھ بھی اٹھانے پڑیں انہیں صبر کے ساتھ برداشت کرے، لیکن کبھی ٹھنڈے دل سے شوہر کی گمراہیوں کو گوارا نہ کرے۔ اگر کوئی شوہر نیک ارادہ کرے تو ہرگز ہرگز کوئی عورت محض رسم و رواج کی پابندی کی وجہ سے اس کے ارادۂ حق میں رکاوٹ نہ ڈالے۔ وہ یہ ضرور معلوم کرے کہ دین حق کی تعلیم کیا ہے، اور جب معلوم ہو جائے کہ شوہر صحیح راستہ پر گامزن ہے تو اس سے تعاون کرے، اس کی ڈھارس بندھائے، اس کی حوصلہ افزائی کرے، عسر و یسر ہر حال میں اس کی رفاقت و غمگساری کا یقین دلائے، حقیقت یہ ہے کہ بغیر اس کی رفاقت کے مرد کے لئے راہ حق کا سفر بہت دشوار ہے۔ یہی ایک کوچہ ہے جس میں میاں بیوی کی رفاقت سب سے زیادہ مطلوب اور اللہ کو پسند ہے۔ جو عورت دین حق کی اقامت کی راہ میں مرد کا دست و بازو بنتی ہے، اس مقصد کی خاطر مصیبتیں جھیلتی ہے، اور رفاقت کرتی ہے، وہی عورت امہات المومنین رضؓ اور صحابیات رضؓ کے مبارک نمونے پر ہے۔ اور جو عورت اس راہ میں پتھر

بنتی ہے تو وہ عورت وہ ہے جس نے شیطان کی ایجنسی لے رکھی ہے۔

• ہماری اصلی دولت عورتوں ہی کے پاس ہے نسلیں انہی کی تحویل ہیں ہیں۔ ان کا بیٹھایا ہوا نقش قبر تک کھرچنے کے باوجود نہیں چھٹتا، خواہ وہ نقشِ باطل بٹھائیں یا نقشِ حق۔ وہ چاہیں تو ان کے فیض تربیت سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو ہماری تاریخ کو از سرِ نو روشن کر دیں، اور چاہیں تو اسی طرح کے لوگوں کو جنم دیں جیسے کہ آجکل کے مسلمان ہیں۔ خیال تو کیجئے کبھی گنتی کے چند نفوس تھے، لیکن زمین ان کے وجود سے تھرا اٹھی تھی۔ لیکن آج مردم شماری کے اعتبار سے مسلمانوں کی تعداد کس قدر زیادہ ہے، مگر صفحہ گیتی کو خبر تک نہیں کہ کوئی اس کی پشت پر ہے۔ ہمیں خود بتانے کی ضرورت پڑتی ہے کہ ہم موجود ہیں۔ اگر عورتیں حضرت اسماءؓ کے نمونہ پر چلیں گی تب ہی ان فرزندان اسلام کو پیدا کر سکیں گی جن کی موجودگی زمین کو محسوس ہوگی، اور وہ پکار کر کہے گی کہ اس کے سینہ پر کوئی اللہ کے رستے کا سوار ہے۔ اگر انھوں نے یہ روش اختیار نہ کی تو دنیا یونہی پیدا ہوتی اور مرتی رہے گی، مگر وہ لوگ پیدا نہ ہوں گے جن سے اسلام کا بول بالا ہو۔

میں پھر اپنی ماؤں اور بہنوں سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنی روشن تاریخ کو یاد کریں اور اس پر چلنے کی کوشش کریں۔ ہم نے اپنے خدا سے جو مبارک عہد کیا ہے کہ ہم دین حق کو اپنے اوپر اور دوسروں پر قائم کریں گے اس میں وہ ہماری مدد کریں۔

میں اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مردوں کو توفیق عمل دے اور عورتوں کو اس راہ میں ان کا رفیق سفر بنا دے۔ آمین۔

(۲)

(یہ مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی ایک تقریر ہے جو موصوف ٹونک کے اجتماع کے موقع پر خواتین کے روبرو فرمائی تھی)

بہنو! مجھے یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ یہاں خواتین میں بھی اسلامی تحریک مقبول ہو رہی ہے اور آپ نے اس دعوت کو پھیلانے کے لیے اپنا ایک حلقہ منظم کر لیا ہے۔ ہمارے اس کام میں عورتوں کی شرکت اور تعاون کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی مردوں کی شرکت اور تعاون کی ہے۔ انسانی زندگی میں آپ برابر کی حصہ دار ہیں اور زندگی کے جو پہلو آپ سے تعلق رکھتے ہیں وہ ان پہلوؤں سے کسی طرح بھی اہمیت میں کم نہیں ہیں جو مردوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

جس طرح گاڑی کے دو پہیوں میں سے کوئی بھی اس وقت تک ٹھیک نہیں چل سکتا جب تک دوسرا پہیہ اس کا ساتھ نہ دے، اسی طرح انسان کی اجتماعی زندگی کا نظام بھی کبھی ٹھیک نہیں چل سکتا جب تک کہ اس کے چلانے میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی برابر کا حصہ نہ لیں۔ خدا نے اس گاڑی کو بنایا ہی اس طرح ہے کہ یہ دونوں پہیوں پر حرکت کرتی ہے اور اگر ایک پہیہ جم جائے یا الٹی حرکت کرنے لگے تو تنہا دوسرا پہیہ اس کو لے کر زیادہ دور تک نہیں گھسیٹ سکتا۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی بنا پر ہر اجتماعی تحریک عورتوں کی شرکت اور تعاون کو اہمیت دینے پر مجبور رہی ہے۔ مگر خصوصیت کے ساتھ

اسلامی تحریک تو اس کو بہت ہی زیادہ اہمیت دیتی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ اسلام ٹھیک ٹھیک خدا کی بنائی ہوئی ساخت کے مطابق انسانی زندگی کا نظام درست کرنا چاہتا ہے، جس کے لئے عورتوں کا درست ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا مردوں کا درست ہونا۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام جس خدا کی بندگی کی طرف بلاتا ہے وہ عورتوں کا بھی ویسا ہی خدا ہے جیسا مردوں کا ہے، جس دین کو حق کہتا ہے وہ عورتوں کے لئے بھی ویسا ہی حق ہے جیسا مردوں کے لئے ہے، جس نجات کو مقصود قرار دیتا ہے اس کی ضرورت عورتوں کو بھی ویسی ہی ہے جیسی مردوں کو ہے، جس دوزخ سے بچانا چاہتا ہے وہ عورتوں کے لئے بھی اتنی ہی خوفناک ہے جتنی مردوں کے لئے ہے، اور جس جنّت کی اُمید دلاتا ہے وہ عورتوں کو بھی اپنی ہی کوشش سے مل سکتی ہے جس طرح مردوں کو اپنی کوشش سے۔ اگر کسی مرد کی نجات کے لئے یہ بات کافی نہیں ہو سکتی کہ اس کی بیوی یا ماں یا بہن ایمان لائی تھی اور خدا کی خوشنودی کے لئے کوشش کرتی رہی تھی تو ظاہر ہے کہ کوئی عورت بھی محض اس بنا پر نجات نہیں پا سکتی کہ اس کا شوہر یا باپ یا بھائی ایمان لایا تھا اور اس نے اپنے خدا کو خوش کرنے کے لئے جان کھپائی تھی۔ خدا کے ہاں کوئی شخص کچھ بھی نہیں پا سکتا جب تک اس نے خود کچھ پانے کی کوشش نہ کی ہو۔ اس لئے اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ عورتوں اور مردوں کو یکساں اپنی اپنی نجات کی فکر ہو، ہر ایک دل و جان سے وہ خدمات بجا لائے جو اسے خدا کی سزا سے بچائیں اور اس کے انعام

کا مستحق بن جائیں۔ کوئی مرد یا عورت اس طرح اپنے آپ کو دوسروں کے ساتھ نہ باندھ لے کہ انہی کے ساتھ بندھے بندھے دوزخ میں جا پہنچے، اور نہ کوئی مرد یا عورت ایسی اندھوں کی سی زندگی بسر کرے کہ اس کے اپنے گھر میں دین و ایمان کی روشنی موجود ہو مگر وہ اس سے فائدہ نہ اٹھائے۔

تحریکِ اسلامی کی جو تاریخ ہمارے سامنے ہے وہ ہمیں بتاتی ہے کہ ابتدا سے عورتوں نے اس تحریک میں مردوں کے ساتھ برابر کا حصہ لیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی سعادت سب سے پہلے جس کو نصیب ہوئی وہ ایک خاتون ہی تھیں، یعنی ہماری، آپ کی اور سب مسلمانوں کی ماں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا۔ وہی تھیں جنہوں نے بارِ نبوت کو اٹھانے وقت حضور کے کانپتے ہوئے دل کو تسکین دی، وہی تھیں جو دس سال تک ہر قسم کی سختیوں میں حضور کی بہترین رفیق بنی رہیں، اور انہی کا سرمایہ تھا جس سے مکی دور میں اسلام کا مشن چلتا رہا۔ نبوت کے پہلے تین سالوں میں جو ۵۵ اشخاص ایمان لائے تھے ان میں ۹ عورتیں شامل تھیں۔ سات آٹھ برس تک مکہ میں انتہائی ظلم و ستم سہنے کے بعد جو ۸۳ اشخاص اپنا گھر بار چھوڑ کر حبش کی طرف ہجرت کر گئے تھے ان میں ۱۸ عورتیں تھیں جنہوں نے دین و ایمان کی خاطر جلاوطنی کی مصیبتوں میں اپنے شوہروں اور بھائیوں کا ساتھ دیا۔ مکہ میں جن لوگوں نے کفار کے ہاتھوں سب سے بڑھ کر ظلم سہے ان میں اگر بلال اور عمار جیسے مرد تھے تو ام عبیس، ام سمیہ، زنیرہ جیسی عورتیں بھی تھیں۔ اسی طرح مدینے میں

جہاں انصار کے مردوں نے اسلام کی خاطر قربانیاں کیں، عورتوں نے بھی ان میں کچھ کم حصہ نہیں لیا۔ کیا آپ نے اس نیک بخت خاتون کا قصہ نہیں سنا جسے جنگِ احد کے موقع پر شوہر، باپ اور بھائی کی شہادت کی خبر پہونچی تو اس نے پوچھا مجھے یہ بتاؤ کہ رسول اللہ تو خیریت سے ہیں؟ اور جب اس نے آپؐ کو بخیریت دیکھ لیا تو کہنے لگی "آپ زندہ ہیں تو ہر مصیبت ہلکی ہے" اسی جنگِ احد میں ایک خاتون ام عمارہ پانی پلانے کی خدمت کر رہی تھیں، جب انھوں نے دیکھا کہ حضور زخمی ہو گئے اور کفار نے آپ پر نرغہ کر لیا تو تلوار سونت کر سامنے آ کھڑی ہوئیں، اور آپ کو بچانے کے لئے لڑتی رہیں، یہاں تک کہ شانے پر گہرا زخم کھایا۔ یہ اور ایسے ہی بکثرت واقعات بتلاتے ہیں کہ اسلام کی راہ میں جو کچھ مردوں نے کیا ہے اس سے کچھ کم عورتوں نے نہیں کیا ہے۔ انھوں نے اس دین کی خاطر ظلم بھی سہے۔ خطرات بھی مول لئے۔ جان و مال کی قربانیاں بھی کیں، اعزا و اقربا کو بھی چھوڑا، جلاوطنی اور فقر و فاقہ کی تکلیفیں بھی اٹھائیں، اور اپنے ایمان دار باپوں، شوہروں اور بھائیوں کے ساتھ وفاداری کا حق بھی پوری طرح ادا کیا۔ یہ آپ کی پیش رو خواتین کے کارنامے ہیں جن کی بدولت ابتدا میں اسلام دنیا پر چھایا تھا، اور آج اگر اس دین کو پھر دنیا پر چھانا ہے تو یہ بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ آپ انہی جاں نثار خواتینِ اسلام کے نقشِ قدم پر چلیں اور انہی کی طرح اخلاصِ ایمانی کا ثبوت دیں۔

اس وقت عورتوں کے کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ وہ اپنے گھروں کو اور اپنے خاندان اور اپنے ہمسایوں اور اپنے ملنے جلنے والوں کے

گھروں کو شرک و جاہلیت اور فسق سے پاک کرنے کی کوشش کریں، گھروں کی معاشرت کو اسلامی بنائیں، پرانی اور نئی جاہلیتوں کے اثرات سے خود بچیں اور دوسرے گھروں کو بچائیں، ان پڑھ اور نیم خواندہ عورتوں میں علم دین کی روشنی پھیلائیں، تعلیم یافتہ خواتین کے خیالات کی اصلاح کریں، خوش حال گھروں میں خدا سے غفلت اور اصول اسلام سے انحراف کی جو بیماریاں پھیلی ہوئی ہیں ان کو روکیں، اپنی اولاد کو اسلام پر اٹھائیں، اپنے گھروں کے مردوں کو، اگر وہ فسق اور بے دینی میں مبتلا ہوں، راہ راست پر لانے کی کوشش کریں، اور اگر وہ اسلام کی راہ میں کوئی خدمت کر رہے ہوں تو اپنی رفاقت اور معاونت سے ان کا ہاتھ بٹائیں۔ آگے چل کر اس دین کے لئے آپ کو اور دوسری خدمات بھی انجام دینی ہوں گی اور ان کے لئے آپ کو تیار کرنے کا انتظام بھی انشاءاللہ اپنے وقت پر ہو جائے گا، لیکن سردست آپ کے لئے اس تحریک میں یہی کام ہے، اور یہ آپ ہی کے کرنے کا ہے۔

عورت کو سب سے بڑی مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب وہ خود راہ حق کو پا کر اس پر چلنے کے لئے آمادہ ہو جاتی ہے مگر اس کے گھر کے مرد اس کی راہ میں مزاحم ہوتے ہیں۔ یہ فی الواقع ایک بڑی مشکل صورت حال ہے جو بہت کچھ پریشانی کی موجب ثابت ہوتی ہے، لیکن اس معاملہ میں بھی آپ کے لئے انہی خواتین اسلام کا نمونہ قابل تقلید ہے جنھوں نے ابتداء میں اس راہ حق کو اختیار کیا تھا۔ آپ کی پوزیشن خواہ کتنی ہی

بے بسی و کمزوری کی ہو مگر بہر حال اس حد کو نہیں پہنچی جس حد تک زمانہ جاہلیت کے عرب میں عورتوں کی پوزیشن گری ہوئی تھی۔ اسی طرح آپ میں سے جن کو بھی ایسے مرد عزیزوں سے سابقہ درپیش ہو جو اسلام سے برگشتہ یا دعوتِ اسلامی کے مخالف ہوں، ان کا سابقہ بہر حال بگڑے ہوئے مسلمانوں سے ہے، مگر جن خواتین کا میں ذکر کر رہا ہوں ان کا سابقہ تو کفار اور بد ترین دشمنانِ اسلام سے تھا۔ اس فرق کے باوجود جو کچھ اُنھوں نے اپنے دین کے لئے کیا، اور جس جرأت اور ہمت اور استقلال کے ساتھ اپنے خاندان کی انتہائی مخالفت اور دشمنی کے مقابلہ میں حق پرستی کا کمال دکھایا وہ ہمیشہ تمام دنیا کی عورتوں کے لئے ایک بہترین نمونہ رہے گا۔ مثال کے طور پر میں آپ کے سامنے چند خواتین کے حالات بیان کروں گا۔

سب سے پہلے تو حضرت خدیجہ ہی کو لیجیے۔ ان کے خاندان کے زیادہ تر لوگ اسلام کے سخت دشمن تھے۔ خصوصیت کے ساتھ ان کا حقیقی بھائی نوفل، ان کا چچا زاد بھائی اسود بن مطلب، اور اسود کا بیٹا زمعہ، یہ لوگ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں ابوجہل کے دست راست تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ حضور کی رفاقت اور پشت پناہی کرتی رہیں، اور خود اپنے میکے والوں کی دشمنی کی انہوں نے ذرہ برابر پرواہ نہیں کی۔

حضرت ام سلمہ کو دیکھیے۔ ان کے ایک چچا کا بیٹا ابوجہل تھا، دوسرا چچا ولید بن مغیرہ اور اس کے بیٹے خالد بھی اسلام کے سخت دشمن تھے۔ ان کا اپنا حقیقی بھائی عبداللہ بن اُمیہ ہر وقت اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں سرگرم

تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ بہادر خاتون اسلام لائیں اور جب خاندان والوں نے بہت زیادہ تنگ کیا تو گھر بار اور خاندان کو چھوڑ کر حبش کی طرف ہجرت کر گئیں۔

حضرتِ فاطمہ بنِ خطاب کی مثال لیجئے۔ ان کا باپ خطاب اور ان کا ماموں ابوجہل، دونوں اسلام کی دشمنی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ ان کے سگے بھائی حضرت عمرؓ بھی زمانۂ کفر میں اسلام کی دشمنی اور مسلمانوں پر ظلم کرنے میں کسی سے کم نہ تھے۔ باپ، بھائی اور ماموں کے اس رویّہ سے وہ واقف تھیں۔ پھر بھی وہ اپنے شوہر کے ساتھ اسلام قبول کرنے سے نہ جھجکیں۔ حضرت عمرؓ کو جب معلوم ہوا کہ بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو گئے ہیں تو وہ ٹوہ لگانے آئے۔ ابھی دروازے ہی پر تھے کہ اندر سے قرآن پڑھنے کی آواز سنی۔ گھر میں گھس کر بہن اور بہنوئی دونوں کو خوب مارا یہاں تک کہ لہولہان ہو گئیں۔ مگر اس اللہ کی بندی نے بھائی سے صاف کہہ دیا کہ چاہے تم مار ڈالو، یہ حق جو میں پا چکی ہوں اسے چھوڑ نہیں سکتی۔ اس پر بھائی کا دل کچھ پسیجا اور اس نے کہا لاؤ ذرا میں بھی تو سنوں کہ وہ چیز کیا تھی جو تم دونوں پڑھ رہے تھے۔ بہن نے قرآن کے اوراق نکال کر سامنے رکھ دیئے، جن میں سورہ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ بھائی نے پڑھنا شروع کیا اور جوں جوں پڑھتا گیا حق کی تاثیر دل میں اترتی چلی گئی، یہاں تک کہ جب سورہ ختم ہوئی تو وہی دل جو ابھی تھوڑی دیر پہلے تک کفر اور بغض اسلام سے بھرا ہوا تھا، ایمان سے لبریز ہو گیا۔

اسی طرح ایک عورت ہی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ عمر فاروق جیسے عظیم الشان انسان کو اسلام کے دائرے میں لائی جس کا نام تاریخ اسلام میں ہمیشہ ہمیشہ درخشاں رہے گا۔

سب سے زیادہ سبق آموز مثال حضرت ام حبیبہ کی ہے جو بنی اُمیّہ کے اس خاندان سے تھیں جس کا بچّہ بچّہ اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں سانپ اور بچھو بنا ہوا تھا۔ ان کا باپ ابوسفیان، وہ شخص تھا جو مسلسل ۲۱ سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف برسرپیکار رہا۔ ان کی ماں ہند بنت عتبہ وہ عورت تھی جو جنگ احد میں حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چبا گئی تھی۔ ان کی پھوپھی ام جمیل، ابولہب کی جورو، وہی عورت تھی جسے قرآن میں حمّالۃ الحطب کا خطاب دیا گیا ہے۔ ان کا نانا عتبہ بن ربیعہ قریش کے ان سرداروں میں سے تھا جو اسلام کی دشمنی میں سب سے پیش پیش تھے۔ اندازہ کیجئے کہ ایسے خاندان کی لڑکی کا اسلام قبول کرنا کس قدر مشکل تھا۔ مگر آپ کو تعجب ہوگا کہ مکہ کے ابتدائی پانچ سالوں میں جو لوگ ایمان لائے تھے ان میں ایک ام حبیبہ بھی تھیں۔ ان کے ساتھ ان کے شوہر نے بھی اسلام قبول کیا اور دونوں خوب ستائے گئے۔ دو تین سال بعد مجبور ہو کر انہیں اپنے شوہر کے ساتھ حبش کی طرف جانا پڑا۔ وہاں جاکر شوہر عیسائی ہوگیا اور اس شیردل خاتون نے جہاں ایمان کی خاطر ماں باپ اور بھائی بہنوں کو چھوڑا تھا، اس مرتد شوہر کو بھی چھوڑ دیا۔ اب غریب الوطنی کی زندگی میں وہ تنہا ایک بچّی کے ساتھ رہ گئیں، مگر ان کے عزم اور ایمان کی

مضبوطی میں ذرا فرق نہیں آیا۔ انہی بلند ایمانی اوصاف کا انعام تھا جو خدا نے ان کو اس شکل میں دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنے لئے پسند فرمایا اور حبش ہی میں ان کا غائبانہ نکاح حضورؐ کے ساتھ پڑھا یا گیا۔ جنگ خیبر کے زمانہ میں یہ حبش سے واپس ہو کر مدینہ پہنچیں۔ اس کے تھوڑے دنوں بعد ان کا باپ ابوسفیان صلح کی بات چیت کے لئے مدینہ آیا اور اس نے چاہا کہ بیٹی سے مل کر صلح کے معاملہ میں اس سے بھی مدد لے۔ بارہ تیرہ سال کی جدائی کے بعد پہلا موقع تھا کہ بیٹی اور باپ مل رہے تھے۔ مگر آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ کافر باپ جب مسلمان بیٹی کے ہاں گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرش پر بیٹھنے لگا تو بیٹی نے دوڑ کر فرش کھینچ لیا، اور باپ سے کہا کہ میں رسول اللہ کے فرش پر ایک دشمن اسلام کو بیٹھنے کی اجازت نہیں دے سکتی!

یہ ہیں سچی اور مسلمان عورتوں کے اوصاف، اور اگر آپ کو اپنی نجات درکار ہے تو یہی اوصاف آپ کو بھی اپنے اندر پیدا کرنے ہوں گے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ والدین ہوں، یا بھائی بہن، یا شوہر، یا اولاد، کسی کا حق بھی آپ کے اوپر خدا اور رسول سے بڑھ کر یا ان کے برابر نہیں ہے۔ کوئی بھی اس کا مستحق نہیں ہے کہ اس کو خوش کرنے اور راضی رکھنے کے لئے آپ خدا اور رسول کی نافرمانی کریں۔ کوئی آپ کو خدا اور اس کے رسول اور اس کے دین سے بڑھ کر یا برابر عزیز نہ ہونا چاہیے، اور کسی کا خوف بھی آپ کے دل میں اس حد تک نہ ہونا چاہیے کہ آپ اس سے ڈر کر خدا سے نڈر ہو جائیں۔ یہ کیفیت اگر آپ کے اندر پیدا ہو جائے تو دین کا راستہ آپ کے لئے آسان ہو جائے گا اور کوئی طاقت آپ کو راہ حق سے نہ روک سکے گی، نہ ہٹا سکے گی۔ ✻

ہدایات

(لاہور کے ایک مقامی اجتماع خواتین میں مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے کارکن خواتین کو چند اہم ہدایات دی تھیں، ان میں سے خاص خاص ہدایات افادۂ عام کے لئے یہاں درج کی جارہی ہیں)

(۱) چونکہ ہمیں ہر کام مسلمان کی حیثیت سے اور مسلمان رہ کر ہی انجام دینا ہے اس لئے میں آپ کو پہلی ہدایت یہ دیتا ہوں کہ جو کچھ کیجئے ان حدود اور ذمہ داریوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیجئے جو اسلام نے آپ کے لئے مقرر کی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک مسلمان عورت اپنی نقل وحرکت میں وہ آزادی نہیں برت سکتی جو ایک غیر مسلم عورت برت سکتی ہے۔ پھر جس طرح مرد سے اسلام کا یہ مطالبہ ہے کہ اپنے اہل وعیال اور دوسرے حق داروں کے حقوق بھی ادا کرے اور ان کے ساتھ اپنے دین اور خدا کے حقوق بھی ادا کرے، اسی طرح اسلام عورتوں سے بھی یہ مطالبہ کرتا ہے کہ جو حقوق ان پر شوہر، باپ، بھائی، اولاد اور دوسرے لوگوں کے ہیں ان کو بھی ٹھیک ٹھیک ادا کرے، اور ان کے ساتھ اپنے دین اور خدا کے حقوق بھی ادا کرے۔ ایک غیر مسلم کے لئے تو یہ ممکن ہے کہ وہ جس طرف جھک گیا جھک گیا، اور دوسری ساری ذمہ داریوں سے منہ پھیر لیا، لیکن اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا یہاں نہ افراط کی گنجائش ہے نہ تفریط کی، بلکہ ہر ایک کا جو حق ہے، اسے ادا کرنا ہوگا۔

(۲) دوسری بات آپ یہ سمجھ لیجئے کہ ہر شخص سے اسلام کا مطالبہ اس کی استطاعت کے مطابق ہے۔ مالدار سے اس کا کچھ اور مطالبہ ہے اور نادار سے

کچھ اور صحت مند اور توانا آدمی سے اس کا مطالبہ اور ہے اور بیمار اور ناتوان سے کچھ اور۔ عالم کی ذمہ داریاں اس کے نزدیک کچھ اور ہیں اور کم علم اور ان پڑھ لوگوں کی کچھ اور۔ اسی طرح جس عورت پر گھر اور بچوں کی اور دوسرے حق داروں کی ذمہ داریاں زیادہ ہیں اس سے اسلام کا وہ مطالبہ نہیں ہے جو اس عورت سے ہے جس کی ذمہ داریاں کم ہیں۔ آپ میں سے ہر ایک کو خود اندازہ کرنا چاہیئے کہ فی الواقع اس کی استطاعت کتنی ہے، اور پھر اسی کے لحاظ سے صرف اتنا کام اپنے ذمہ لینا چاہیئے جتنا وہ اپنی شرعی ذمہ داریوں کو ادا کرتے ہوئے انجام دے سکے۔ آپ کے اندر تبلیغ کا جو مبارک جذبہ پیدا ہو گیا ہے اس کی میں دل سے قدر کرتا ہوں، مگر اس کے ساتھ میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ اپنے اندر وہ اعتدال پیدا کیجیے جو مزاجِ مومن کا امتیازی خاصہ ہے۔ ایک مسلمان عورت پر اصل ذمہ داری اس کی اپنی ذات کی، اس کے بال بچوں اور اس کے گھر کی، اور اس کے خاندان کی ہے۔ سب سے پہلے اسے ان کی طرف توجہ کرنی چاہیئے اور انہیں مسلمان بنانا چاہیئے۔ آپ اسلام کو سمجھیں، اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو بدلیں، اپنے گھروں کو ہر قسم کی جاہلیت سے پاک کریں، اپنے بچوں کی صحیح تربیت کریں، اپنے قریبی عزیزوں کو اسلام کی طرف لائیں۔ پھر اپنی برادری کے لوگوں میں سے جن جن کے ساتھ آپ شرعی حدود کے اندر رہ کر مل سکیں ان کے اندر سے جاہلیت کے اثرات نکالیں اور ان کو اسلام سے روشناس کرائیں۔ پھر آپ کا میل جول جن خاندانوں سے ہو اور آپ کے ہمسائے میں جو لوگ بستے ہوں، ان کی طرف بھی توجہ کریں اور ان کی مستورات کے ذریعہ سے کوشش

کریں کہ اسلام کی روشنی ان کے گھروں میں بھی پھیلے۔

(۳) اس دائرے سے باہر کام کرنے کے لیے کچھ حدود ہیں۔ سن رسیدہ عورتوں کو تو اسلام اجازت دیتا ہے کہ وہ باہر دوسری عورتوں سے ملیں اور ان کی اصلاح کریں، لیکن جوان لڑکیوں کو اسلام آزاد پھرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اُن کو اُن حدود کے اندر رہنا چاہیے جو اسلام نے اُن کے لیے مقرر کر دی ہیں۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہماری عورتوں میں تبلیغ و اشاعت کے نام سے وہ جاہلیت پھیلے جسے دُور کرنے اور مٹانے کے لئے ہم اُٹھے ہیں۔

(۴) جو خواتین کام کرنا چاہیں وہ اپنے پاس لٹریچر رکھیں جس حد تک ان کے اپنے ذرائع اجازت دیں وہ خود خریدیں، اور جب ضرورت ہو تو اپنے قریب کی جماعت اسلامی کے دارالمطالعہ سے کتابیں منگوا لیا کریں۔ جو خواتین پڑھی لکھی ہوں انھیں لٹریچر پڑھایا جائے، جو اَن پڑھ ہوں ان کو تعلیم دینے اور لٹریچر سنانے کا بندوبست کیا جائے۔

(۵) خواتین کے اجتماعات کے سلسلے میں میں نے بہت غور کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان کے لئے بار بار اجتماعات میں شریک ہونا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے پورے شہر کی خواتین تو اگر دو یا تین ماہ میں ایک مرتبہ جمع ہو جایا کریں تو کافی ہوگا البتہ محلّے کی عورتیں ہر ہفتہ یا ہر پندرہ روز میں کسی ایک جگہ جمع ہو کر اپنے کام کا جائزہ لے لیا کریں۔ اس پر تنقید کر لیا کریں، اپنی مشکلات کو حل کرنے کی تدابیر سوچ لیا کریں اور مل کر کام کا پروگرام تجویز کر لیا کریں۔

چند اہم سوالات اور ان کے جوابات

(ٹونک میں خواتین کے اجتماع کے موقعہ پر بعض بہنوں نے مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی سے کچھ سوالات بھی دریافت کئے تھے۔ چوں کہ یہ سوالات اور ان کے جوابات خواتین کے مسائل سے متعلق اور اہم معلومات پر مشتمل ہیں اس وجہ سے انہیں بھی نمبر وار ذیل میں درج کیا جا رہا ہے)

سوال نمبر ۱۔ عورتوں کو اپنے حدود کے اندر رہتے ہوئے تبلیغ کس طرح کرنی چاہیے؟

جواب:۔ تبلیغ کے لئے کوئی مصنوعی طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اصل تبلیغ یہ ہے کہ انسان جس اصول اور مسلک پر ایمان رکھتا ہو اس کا نمونہ خود ہی اپنی زندگی میں پیش کرے، اور اپنے کسی قول و عمل سے اس کے خلاف شہادت نہ دے۔ اس کے ساتھ اگر آدمی زبان اور قلم سے دوسروں کو سمجھانے اور نصیحت کرنے کی کوشش کرے تو وہ مفید ہو سکتی ہے۔ انسانی فطرت کا خاصہ یہی ہے کہ وہ کسی اصول سے اسی قدر متاثر ہوتی ہے جس قدر پختہ اس کے علمبرداروں پر ایمان ہو۔ اپنے اصول کے معاملہ میں کسی سے کوئی مصالحت نہ کیجئے۔ اگر آپ دوسروں کے اثر سے دباؤ قبول کرنے لگیں تو پھر دوسرے آپ کو دباتے ہی چلے جائیں گے۔ اصول پرستی اور مصالحت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اپنے اصول کے معاملہ میں ہم کسی رواداری کے قائل نہیں۔ اگر دوسروں کو ہماری حق پرستی اور راست روی پسند نہیں تو آخر ہم ان کی غلط روی کا کیوں لحاظ کریں۔ غلط رو اور غلط کار لوگوں سے مصالحت ورواداری

نہیں بلکہ کمزوری اور دینی بے غیرتی ہے۔ البتہ یہ لحاظ رہے کہ اپنے اصول کی پابندی میں آپ جس قدر سخت ہوں اسی قدر آپ کو اپنے اصولوں کے پیش کرنے اور مخالفین و معترضین کو جواب دینے میں نرم اور شیریں ہونا چاہیئے۔

سوال نمبر ۲: عورت کو شادی سے پہلے والدین اور بھائیوں کی اور شادی کے بعد شوہر اور سسرال کے بزرگوں کی اطاعت کرنی پڑتی ہے۔ اگر ہم اپنی زندگی کو بالکل بدل لیں اور غلط راہوں پر چلنے سے انکار کر دیں اور اصلاح کی عملاً کوشش کرنے لگیں تو ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ ہماری مزاحمت کریں۔ ایسے حالات میں ان کے ساتھ ہمیں کیا سلوک کرنا چاہیے؟ والدین اور شوہر کے حقوق پر تو اسلام نے بہت زیادہ زور دیا ہے۔

جواب:۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی بھی کسی پر کوئی اصلی اور ذاتی حق نہیں رکھتا۔ انسان پر اور اس کائنات کی سب دوسری چیزوں پر اصل حقوق صرف اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ دوسروں کو جو حقوق بھی حاصل ہیں وہ اصلی حقوق نہیں ہیں بلکہ وہ خدا کے عطا کیے ہوئے حقوق ہیں۔ والدین، بھائی بہن، شوہر اور تمام دوسرے رشتہ داروں کے حقوق بس وہی ہیں اور اسی قدر ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیے ہیں۔ ان سے زیادہ وہ کوئی اور حق نہیں رکھتے اور ان کے یہ حقوق اللہ کے حقوق کے تحت اور اس کے مقرر کردہ حدود کے اندر ہی ادا کیے جا سکتے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی اپنے قول یا فعل سے یہ مطالبہ کرے کہ خدا کی مرضی اور اس کا قانون خواہ کچھ ہو تم کو میری بات ماننی پڑے گی تو اس کی اطاعت کیا معنی، اس سے بغاوت شرعاً لازم ہو جاتی ہے۔ اگر خدا کی

نافرمانی میں آپ نے کسی کی اطاعت کی تو آپ کا ایمان ہی سرے سے مشتبہ ہو جائے گا۔
ہاں اللہ اور رسول نے والدین، شوہر اور دوسرے حق داروں کے جو حقوق مقرر کر دیئے ہیں وہ ایک مسلمان عورت کو دوسری عورتوں سے زیادہ اچھی طرح ادا کرنے چاہئیں، اور اس بات کی پرواہ کئے بغیر ادا کرنے چاہئیں کہ دوسرا خود ان کے حقوق کو کہاں تک ادا کر رہا ہے حتی الوسع کوئی بدمزگی نہ پیدا ہونے دی جائے۔ اپنی زبان اور جذبات پر پورا قابو رکھا جائے اور اپنے اصولوں میں پوری سختی، لیکن کلام اور اخلاق میں انتہائی نرمی برتی جائے۔

سوال نمبر ۳ ہمیں تقریر کس طرح کرنی چاہیئے تاکہ زیادہ سے زیادہ بہنیں متاثر ہوں۔

جواب۔ جن مستورات کو اللہ تعالےٰ نے تقریر کی صلاحیت بخشی ہے ان کو چاہیئے کہ ہمارے لٹریچر کو غور سے پڑھیں۔ جب خیالات اور ذہن صاف ہو جائیں گے تو تقریر کا ڈھنگ خود بنتا جائے گا۔ "خطبات" سے اس سلسلہ میں خاص طور پر مدد لی جا سکتی ہے۔ انداز بیان آسان سے آسان اور صاف ہو تاکہ کم سے کم لیاقت کا آدمی بھی آپ کی بات سمجھ سکے۔ مخاطب لوگوں کے ذہن اور خیالات کا لحاظ نہایت ضروری ہے۔ ابتداءً کچھ غلطیاں ہوں تو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ دوسرے سارے کاموں کی طرح یہ کام بھی کرنے سے ہی آتا ہے۔

سوال نمبر ۴۔ سینما جو آجکل وبا کی طرح پھیلا ہوا ہے اسے دیکھنا کہاں تک جائز ہے؟ کیونکہ بعض کھیل اصلاحی اور سبق آموز بھی ہوتے ہیں۔

جواب: اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سینما دیکھنا کسی حد تک بھی جائز نہیں۔ اس سے بالکل پرہیز کیا جائے جن فلموں کو عام طور پر تعلیمی اور اخلاقی کہا جاتا ہے ان میں بھی بد اخلاقی کے جراثیم موجود ہوتے ہیں جب تک یہ فن ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جن کے نزدیک اخلاق کی سرے سے کوئی قدر و قیمت ہی نہیں اس وقت تک کہیں کوئی لکیر نہیں کھینچی جا سکتی کہ اس حد تک تو آپ اس سے فائدہ اٹھائیں اور فلاں مقام سے آگے نہ بڑھیں۔ میں نے آج تک نہیں دیکھا کہ سینما سے کسی نے کوئی سبق سیکھا ہو، بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ جس شخص کے اندر کوئی اخلاقی حس موجود ہو وہ ان مناظر کو نہیں دیکھ سکتا اور نہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں، بھائیوں اور بہنوں کا انہیں دیکھنا گوارا کر سکتا ہے جو سینما میں عام طور پر پیش کئے جاتے ہیں۔

اگر اللہ تعالےٰ کوئی وقت لایا اور قیادت ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں منتقل ہوا جو خدا پرستی اور خدا پرستانہ اخلاق کے پابند ہوں تو وہ انشاء اللہ دوسرے فنون کے ساتھ اس فن کو بھی "مسلم اور مومن" بنائیں گے اور پھر یہ دیکھنے کے قابل ہوگا۔ اگر سینما کا فی الواقع صحیح استعمال کیا جائے تو اس کے ذریعہ سے عوام کو موجودہ زمانے کے عام کالجوں کی تعلیم کے برابر معلومات بہت آسانی سے دی جا سکتی ہیں۔ وقت آنے پر ہم انشاء اللہ دنیا کو یہ کر کے دکھائیں گے۔ لیکن اس وقت جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں سینما بینی کو قطعی ترک کر دینا چاہئیے۔

سوال نمبر ۵۔ عورتوں کا لباس کس قسم کا ہونا چاہئیے؟ برقع اوڑھ کر باہر نکلنا کس حد تک اور کن حالات میں جائز ہے؟

جواب: "پردہ" میں اس کی تفصیلات موجود ہیں، وہاں سے دیکھ لی جائیں۔

دہلی، یوپی اور بھوپال میں عورتیں جیسے چست لباس عام طور پر پہنتی ہیں وہ جائز نہیں ہیں۔ خواہ وہ موٹے کپڑے کے ہی بنے ہوئے ہوں۔ ضرورت کے وقت برقع پہن کر گھر سے باہر نکلنا درست ہے۔ لیکن شوخ رنگ کے ریشمی برقعے جو آجکل رائج ہیں ان کا استعمال درست نہیں۔ برقعے اور چادر جسم اور زینت کو چھپانے کے لیے ہیں نہ کہ انھیں نمایاں کرنے کے لیے۔ پردے کی شرعی حدود معلوم نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے ایک گروہ نے تو اس قدر آزادی اختیار کر لی کہ اپنی عورتوں کو نیم برہنگی کی حد تک لے گئے، اور دوسرے گروہ نے انہیں گھر کی چار دیواری میں اس طرح قید کر دیا کہ صوبہ بہار میں مسلمانوں کے قتل عام کے وقت بھی ان کی عورتیں ڈولی کے بغیر گھر سے نہ نکل سکیں۔ یہ دونوں طریقے غلط ہیں۔ دنیا کے حالات تو اب ایسے ہو رہے ہیں کہ عورتوں کو اس کے لیے تیار ہونا چاہیے کہ وقت ضرورت اپنی حفاظت خود کر سکیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو سکیں، اور مصیبت کے وقت مردوں کے لئے بار اور رکاوٹ بننے کے بجائے ان کی قوت میں اضافہ کرنے کا موجب ہوں۔ میں تو یہ بھی مشورہ دوں گا کہ بھائی اپنی بہنوں کو، اگر ممکن ہو سکے تو گھروں کے اندر سائیکل کی سواری بھی سکھا دیں تاکہ ضرورت کے وقت اس سے کام لیا جا سکے۔

سوال نمبر ۶ :- کیا عورت پردہ میں رہ کر ضرورت کے وقت غیر مرد سے بات کر سکتی ہے ؟

جواب :- ہاں ضرورت کے وقت عورت پردے میں رہ کر دوسرے مرد سے بات کر سکتی ہے لیکن لہجے میں لوچ اور ملائمت نہیں ہونی چاہیئے مبادا کہ شیطان اس کے دل میں کوئی غلط توقع پیدا کر دے۔ حضرت عائشہؓ نے مردوں کو درس

بھی دیا ہے، ایک موقع پر خطبہ بھی دیا اور فوجوں کو احکام بھی دیے۔ دوسرے مسائل کی طرح اس میں بھی اعتدال کی راہ ہی صحیح ہے کہ عام آزادی بھی نہ ہو اور یہ بھی نہیں کہ ضرورت کے وقت بھی کسی سے بات نہ کی جائے۔

سوال نمبر ۷ ۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنکھوں کا زنا غیر مرد کو دیکھنا ہے، اور اکثر غیر مرد پر نگاہ پڑ جاتی ہے۔ یہ گناہ قابلِ معافی ہے یا نہیں ؟

جواب :۔ اس مسئلہ پر "پردہ" میں بحث کی گئی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔ دراصل مردوں کے عورتوں کو دیکھنے پر جو پابندی ہے وہ پابندی عورتوں کے مردوں کو دیکھنے پر نہیں ہے۔ اگر عورت پردہ کر کے نکلے گی تو ظاہر ہے کہ اسے راستہ دیکھنا ہوگا اور اس سے اس کی نظر مردوں پر بھی پڑے گی۔ عورت کا جو دیکھنا منع اور زنا ہے وہ بُری نظر سے دیکھنا ہے۔

سوال نمبر ۸ ۔ بعض عورتیں گنڈے اور تعویذوں کو بہت اہمیت دیتی ہیں اور اس کے لئے تاویل کرتی ہیں کہ جس طرح نظر پھکوانا جائز ہے اسی طرح یہ بھی درست ہے۔

جواب :۔ آجکل جو تعویذ اور گنڈے ہوتے ہیں وہ اکثر و بیشتر مشرکانہ اور شیطانی ہوتے ہیں۔ ان میں سے جو بظاہر قرآنی کہے جاتے ہیں ان میں بھی اکثر و بیشتر دیکھا گیا ہے کہ کچھ نہ کچھ تحریف ضرور ہوتی ہے۔ اس لئے ان سے احتراز کرنا چاہیے۔ دوسرے صحیح اور قرآنی تعویذوں کو بھی دعا کی حیثیت میں ہی رکھنا چاہیئے۔ ان کے متعلق یہ اعتقاد رکھنا کہ ان سے لازماً آرام ہو جائے گا درست نہیں ہے۔ صحت و تندرستی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اس کے لیے اسی سے دُعا کرنی چاہیئے۔ تعویذ اور گنڈوں کی طرف رجوع کرنا عام طور پر بے عمل اور پست ہمت قوموں کا شیوہ رہا ہے اور

اب بھی ان کی طرف رجوع کرنے والے ایسے ہی لوگ ہیں۔

سوال نمبر ۹۔ میلاد ذہنی میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟ اس میں پیدائش کے ذکر کے وقت کھڑا ہونا کیسا ہے۔؟

جواب: حضور کی سیرت بیان کرنے کے لئے جمع ہونا صحیح بلکہ بہت نیک کام ہے، لیکن اس کی غرض یہ ہونی چاہیئے کہ اس سے سبق لیا جائے۔ مگر یہ میلاد خوانی جو اس وقت رائج ہے یہ ساری کی ساری جاہلانہ اور مشرکانہ رسوم پر مشتمل ہے، اور اگر حضورؐ یا صحابہؓ کے زمانہ میں ہوتی تو اسے حکماً بند کر دیا جاتا۔ جس طرح حضورؐ کی پیدائش کو ان محفلوں میں بیان کیا جاتا ہے اس طرح اپنی پیدائش کے ذکر کو کوئی شخص بھی پسند نہیں کر سکتا۔

سوال نمبر ۱۰۔ شادی بیاہ کے موقع پر گانا مع ساز کے گایا جاتا ہے اور ان تقاریب میں شریک ہونا پڑتا ہے۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے اور ساز کس قسم کا سننا جائز ہے؟

جواب:۔ ساز بجز دف کے اور کسی قسم کا جائز نہیں۔ شادی بیاہ کے موقع پر اگر لڑکیاں بالیاں آپس میں بیٹھ کر کچھ گا بجا لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کی اجازت دی ہے۔ لیکن پیشہ ور ڈومنیوں اور طوائفوں کا گانا اور ساز کے ساتھ گانا کسی طرح جائز نہیں۔ ایسی محفلوں سے اجتناب کرنا چاہیئے جہاں شادی میں اس کا انتظام کیا گیا ہو، وہاں آپ صرف نکاح اور ولیمہ کے موقع پر شریک ہوں اور باقی تقریبات سے الگ ہو جائیں۔ آپ کا طرز عمل یہ ہونا چاہیئے۔ کہ ہم اپنے عزیزوں اور بھائی بندوں کے سب جائز کاموں میں شریک ہوں گے اور ناجائز کاموں سے الگ رہیں گے۔

(مطبوعہ اسٹیٹ پریس رامپور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسان خدا کا بندہ ہے۔ خدا کی بندگی اور زندگی کے ہر شعبہ میں اسکی کامل اطاعت ہی انسان کا اصل مقام ہے۔ یہ کتاب جو اسوقت آپکے ہاتھوں میں ہے اسی نظریہ کی علمبردار تحریک ـــــ تحریک اسلامی ـــــ کے لٹریچر کا ایک حصہ ہے جس میں اسلام کی دی ہوئی تعلیمات اور اس کے بتائے ہوئے اصول و نظریات کے صرف بعض گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اسلام کی مکمل تعلیم و دعوت کو پوری طرح سمجھنے اور یہ معلوم کرنے کیلئے کہ یہ "تحریک اسلامی" کس نوع کی تحریک ہے؟ اس کا نصب العین کیا ہے؟ اس کا طریق کار کیا ہے اور کیوں ہے؟ آپ کو اس پورے لٹریچر کا مطالعہ کرنا چاہیئے جس کا یہ کتاب ایک جزو ہے۔